امتیاز انجم*

جدید اُردو غزل میں درختوں کے نوحے

The Requiems of Trees in Modern Urdu Ghazal

Abstract:

The large-scale destruction of trees over the past few centuries has emerged as one of the major causes of global environmental change. In order to understand the poetic expression of the "requiem of trees," this article first provides a brief discussion of Modern Urdu Ghazal and the traditional poetic genre of the Elegy (*Nauha*). The study then examines selected verses from Modern Urdu Ghazal that portray the suffering of trees and the damage inflicted upon their surrounding ecosystems. These poetic expressions are identified and interpreted as "Vegetal Elegies," as they articulate grief over the loss and destruction of plant life. The article argues that such poetic laments demonstrate not only the presence of forces responsible for harming nature but also the existence of a sensitive literary consciousness that recognises this suffering and gives it a powerful voice. These requiems devoted to trees differ from the conventional form of *Nauha* and may be divided into two major categories: Intrinsic Elegies (*Dakhili Nauhey*) and Extrinsic Elegies (*Khariji Nauhey*). Intrinsic Elegies arise from natural causes, including phenomena such as autumn, storms, and floods, where human intervention is absent. Extrinsic Elegies, on the other hand, are associated with human actions and activities, including deforestation, arson, and the use of toxic chemicals. In addition, the article highlights the scientific significance of trees, their indispensable role in maintaining ecological balance, and the history of deforestation in the Indian subcontinent during the colonial period

Keywords: Modern Urdu Ghazal, Elegy, Climate change, Ecological consciousness.

اردو شاعری میں درختوں، پرندوں، پودوں کا ذکر ابتدا سے ہوتا آرہا ہے۔ ولیؔ دکنی (۱۶۶۷ء-۱۷۰۷ء) سے لے کر اب تک قریباً ہر شاعر نے گلشن، چمن، باغ، عندلیب، بلبل، شجر، پیڑ، اور درخت کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اور ان کے متعلق اپنے احساسات اور خیالات کا اظہار کیا ہے یا اپنے احساسات کی ترجمانی کے لیے انھیں استعمال کیا ہے۔ مضمون کے موضوع پر براہِ راست گفتگو سے پہلے پس منظر کے طور پر 'جدید اردو غزل' اور صنف 'نوحہ' کے متعلق کچھ معروضات پیش کرنا مناسب ہے۔

جدید اُردو غزل کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ہوا۔اس کی بنیاد میں دو اہم عوامل ۱۸۵۷ء کے سیاسی و سماجی حالات اور انجمن پنجاب کے مشاعرے شامل ہیں۔۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بعد ہندوستانی معاشرت میں جو شکست و ریخت ہوئی، اس نے شعرا کو داخلی دنیا کے ساتھ ساتھ خارجی دنیا کے مسائل پر بھی غور و فکر کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد ۱۸۷۴ء میں مولانا محمد حسین آزادؔ (۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء) اور مولانا حالیؔ (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) نے نیچرل شاعری اور اصلاحِ نظم و غزل کی جو تحریک شروع کی، اس نے غزل کو روایتی گل و بلبل اور ساغر و مینا کے افسانوں سے نکال کر مقصدیت اور نئے مسائل کی طرف موڑا۔ موضوعات کی ہمہ گیریت، عصری حسیت، داخلی اور خارجی دنیا کا سنگم، نیا لہجہ اور نئی علامتیں، ابہام اور رمزیت وغیرہ جدید غزل کے کچھ ایسے اوصاف ہیں جو اسے کلاسیکی غزل سے انفرادیت عطا کرتے ہیں۔ کلاسیکی غزل عموماً عشق و عاشقی اور تصوف تک محدود تھی، جب کہ جدید غزل نے کائنات کے ہر موضوع کو اپنا حصہ بنایا اور اس میں سیاست، نفسیات، فلسفہ، معاشرت اور روزمرہ کے عام مسائل بھی بیان کیے جانے لگے۔ جدید غزل گو اپنے عہد کے مسائل سے باخبر ہے اور اس کی غزل میں مشینی و صنعتی انقلاب، ہجرت، تنہائی، اداسی اور جدید انسان کے کرب کا اظہار ملتا ہے۔ شاعر صرف اپنی ذات کی ہی بات نہیں کرتا بلکہ اپنے زمانے کے آشوب کو بھی بیان کرتا ہے۔ جدید غزل میں پرانی علامتوں (رقیب، قاصد، صیاد وغیرہ) کی جگہ نئی علامتوں اور استعاروں نے لے لی۔ اب "دیوار"، "سفر"، "خوف" اور "شناخت" جیسی علامتیں انسانی نفسیات اور سماجی صورت حال کو واضح کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ جدید غزل میں اشارے اور کنایے کا انداز بدل گیا ہے اور "زخم کو زخم نہیں پھول بتایا جائے" [احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶ء-۲۰۰۶ء) کا شعر ہے] والا طریقہ زیادہ کارگر ہے۔ کلاسیکی غزل اور جدید غزل کے تعلق کے حوالے سے اردو غزل کے اہم موڑ میں شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

> ہماری کلاسیکی غزل کی شعریات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے غزل کے لیے آج بھی نہ استعمال کیا جا سکتا ہو۔ لہٰذا یہ بالکل ممکن ہے کہ غزل جدید بھی ہو اور کلاسیکی اصولوں کی پابندی بھی کرے۔ یہ اس وجہ سے کہ جدید غزل کی بنیادی صفت مضمون آفرینی ہے اور مضمون آفرینی کے لیے کلاسیکی غزل کی روایتی لفظیات کی پابندی ضروری نہیں۔[۱]

'نوحہ' لغوی اعتبار سے عربی مذکر ہے۔ نوحہ اور نوح ایک ہی مادے سے مشتق ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کثرتِ گریہ ہی کے سبب نوح کہلائے۔ عربی اردو لغت بیان اللسان میں نوحہ کے معنی زور زور سے رونے کے ہیں[۲]۔ مولوی نورالحسن نیّر (۱۸۶۵ء-۱۹۳۶ء) نے نوراللغات میں نوحہ کے معنی "گریہ وزاری، رونا پیٹنا، بین کرنا، مردے پر چلا چلا کر رونا"[۳] بیان کیے ہیں۔ اردو لغت تاریخی اصول پر (۲۰۰۵ء)، میں بھی نوحے کے معنی "بین کرنا، ماتم کرنا، مردے پر چلا کر رونا، ماتم، شیون" کے درج

ہیں [۴]۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات کے مصنف ابوالاعجاز حفیظ صدیقی (۱۹۳۰ء-۲۰۰۶ء) کے مطابق نوحہ غزل کی ہیئت میں لکھا جاتا ہے اور اس کے مضامین کا دائرہ محدود ہے۔ نوحہ، ماتم یا سینہ زنی کے ساتھ پڑھے جانے کی چیز ہے اس لیے اس میں حزنیہ عناصر غالب ہیں اور صرف رثائی مضامین نظم کیے جاتے ہیں [۵]۔ گیان چند جین (۱۹۲۳ء-۲۰۰۷ء) کے نزدیک نوحے کا بنیادی مقصد اجتماعی ماتم ہے۔ اس لیے بعد میں یہ مستزاد کی شکل میں لکھا جانے لگا۔ اس میں اضافہ شدہ ٹکڑا بَین کا ہوتا ہے۔ اُسے ندبہ کہتے ہیں [۶]۔

نوحے کی درج بالا تمام تعریفوں اور لغات میں درج معانی و مطالب میں قدرِ مشترک دکھ اور غم ہے۔ نوحہ کی تاریخ کو ہیئت کے حوالے سے دیکھا جائے تو کوئی مخصوص ہیئت اس کے لیے متعین نہیں رہی۔ شاعر اپنے تخیل اور زورِ طبع کے موافق اپنی مرضی کی ہیئت میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ مثلث، مسدس، مستزاد اور غزل سبھی ہیئتوں میں نوحے ملتے ہیں۔ نوحے کا قاری و سامع عام آدمی ہے اس لیے نوحے کی زبان بھی سادہ اور عام فہم ہوتی ہے اور عموماً اس میں استعاراتی و علامتی انداز سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ نوحے کی چھے (۶) اقسام ہیں۔ جن میں روایتی نوحے، اُردو ہندی نوحے، مکالماتی نوحے، یک زبانی نوحے، دو بحر والے نوحے اور تبلیغی نوحے شامل ہیں [۷]۔ صنفِ نوحہ کو وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی دو صورتیں شروع سے اب تک سامنے آتی ہیں اور وہ عزائی نوحہ اور تبلیغی و انقلابی نوحہ ہیں۔

جدید اُردو غزل میں درختوں کے نوحے درج بالا نوحے کی دونوں صورتوں سے مختلف ہیں۔ لفظ ''نوحہ'' سن کر ہمارے ذہن میں فوراً جس کا خیال آتا ہے وہ عموماً عزائی نوحہ ہوتا ہے یا پھر تبلیغی یا انقلابی نوحہ۔ نوحے کی دوسری صورت بھی پہلی کی نسبت کم معروف ہے۔ یہ دونوں صورتیں ایک خاص ہیئت میں ہوتی ہیں اور وہ نظم کی کوئی بھی شکل ہو سکتی ہے۔ ہمارے موضوع کا تعلق نوحے کی ان دونوں اقسام سے نہیں ہے۔ ہمارے پیشِ نظر جدید اردو غزل میں وہ اشعار ہیں جن میں درختوں کے نوحے بیان کیے گئے ہیں۔

درختوں کے نوحے کیا ہیں؟ کلاسیکی اردو شاعری میں درختوں کے کرب یا دکھ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ گل و بلبل کے ذکر کے علاوہ بھی موسمِ خزاں میں درختوں کے پتوں کا جھڑنا، پرندوں کی ہجرت کے سبب درختوں کی اداسی، پھولوں کا کھلنا اور مرجھانا، درختوں کا سوکھ جانا وغیرہ۔ یہ درختوں کا دکھ یا کرب قدرتی یا فطری ہے کہ ہر درخت، پھول یا پتے نے اپنی طبعی عمر گزار لینے کے بعد مرجھانا یا ختم ہونا ہے۔ جدید اردو غزل میں بھی جہاں یہ موضوعات ملتے ہیں وہاں درختوں کے اس کرب کو موضوعِ شعر بھی بنایا گیا ہے جو قدرتی یا فطری نہیں ہے کیوں کہ اس کا سبب انسان یا اس کے افعال و اعمال ہیں۔ انسان کا درختوں کو کاٹنا، زہریلے مادوں کا استعمال جس کے سبب درخت سوکھ جاتے ہیں۔ درختوں کے سوکھ جانے کے سبب پرندوں کی ہجرت بھی بنیادی طور پر درختوں کا ہی دکھ ہے۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ فطری یا غیر فطری ذرائع سے درختوں اور ان سے متعلقہ جانداروں یعنی پرندوں کو پہنچنے والے

نقصان کے سبب جو کرب یا دکھ کا اظہار ہوتا ہے، وہ درختوں کا نوحہ کہلاتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا اظہار نظم اور نثر دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے۔

جدید اردو نظم اور غزل میں یہ نوحے کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ مجید امجد (۱۹۱۴ء-۱۹۷۴ء) کی نظم "توسیعِ شہر"، اس کی بہت عمدہ مثال ہے۔ اس کے علاوہ ثروت حسین، تبسم کاشمیری (پ:۱۹۴۰ء)، کشور ناہید (پ:۱۹۴۰ء)، نصیر احمد ناصر (پ:۱۹۵۴ء)، علی محمد فرشی (پ:۱۹۵۵ء)، وحید احمد (پ:۱۹۵۹ء)، رفیق سندیلوی (پ:۱۹۶۱ء)، افضال احمد سیّد، انوار فطرت، ارشد معراج (پ:۱۹۶۵ء)، روش ندیم (پ:۱۹۶۷ء)، اختر رضا سلیمی (پ:۱۹۷۴ء) اور عرفان شہود (پ:۱۹۸۲ء) وغیرہ کے ہاں عمدہ نظمیں ملتی ہیں جو کلّی یا جزوی طور پر درختوں کے نوحے کہلائے جاسکتے ہیں۔ نظم کے حوالے سے کچھ کام بھی ہو چکا ہے جس میں ان شعرا کی نظموں کو اسی تناظر میں موضوعِ بحث بنایا گیا ہے[۸]۔ لیکن اس خاص پہلو سے جدید اردو غزل کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ اس باعث یہ مطالعہ جدید اردو غزل میں درختوں کے نوحے پر محیط ہے۔

جدید اردو غزل میں درختوں نوحے کے حوالے سے دیکھا جائے تو قریباً ہر شاعر کے ہاں کم و بیش اس موضوع سے متعلق اشعار مل جائیں گے لیکن کچھ شاعروں نے اسے بطورِ خاص موضوعِ سخن بنایا ہے۔ بنیادی طور پر درختوں کے نوحے کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ داخلی نوحے ۲۔ خارجی نوحے۔

داخلی نوحے سے مراد درختوں کے وہ نوحے ہیں جن کا سبب بالواسطہ انسان یا اس کے افعال نہیں بلکہ فطرت کی ستم ظریفی ہے۔ مثال کے طور پر موسمِ خزاں میں درختوں سے پتوں کا جھڑنا اور پرندوں کا ہجرت کر جانا یا درخت کا اپنی عمرِ طبیعی گزار کر گر جانا وغیرہ۔ اردو شعرا نے اس موضوع کو اپنے اشعار میں بہت برتا ہے اور اپنے ذہنی اپج اور تخیل سے مضامین پیدا کیے ہیں۔ درختوں کے لیے قدرتی آفات میں سے آندھی یا طوفان ایک ایسی بلا ہے جس سے درختوں کی جان جاتی ہے۔ آندھی کے آنے سے درخت گر جاتے ہیں، شاخیں ٹوٹ جاتی ہیں، پتے درختوں سے جدا ہو کر ہواؤں میں بکھر جاتے ہیں۔ آندھی جہاں شاخوں، پتوں، پھلوں اور پھولوں کا نقصان کرتی ہے وہاں اس کے باعث پرندے بھی اپنے آشیانوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ آندھی میں درختوں کا پرندوں کو پناہ دینا ایک بہت بڑا خطرہ ہوتا ہے جو درخت مول لیتے ہیں اور پرندوں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ آندھی درختوں کو ان کی چھال یا کھال سے بھی محروم کر دیتی ہے جس طرح کسی جاندار کے جسم سے ماس کھینچ کر اتار لیا جائے بالکل وہی برتاؤ ہوا کا درختوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ردا اس چمن کی اڑا لے گئی
درختوں کے پتے ہوا لے گئی[۹]
(منیر نیازی)

گزشتہ سال بھی آندھی کا سال تھا بیدلؔ
عذاب میں ہے درختوں کی جان اب کے بھی[۱۰]
(بیدل حیدری)

چلتے طوفاں میں پرندوں کو پناہیں دے کر
لے لیا مول درختوں نے یہ خطرہ کیسے[۱۱]
(بیدل حیدری)

ننگِ چمن ہے ہر شجر کیسا عجیب دور ہے
چھال کی بات اور ہے اب کے تو چھال اتر گئی[۱۲]
(بیدل حیدری)

شاخ و گل و ثمر کی بات ،کون کرے کہ ایک رات
بادِ شمال آئی تھی باغ کا باغ لے گئی[۱۳]
(سلیم احمد)

تو یہ نہ دیکھ کہ سب ٹہنیاں سلامت ہیں
کہ یہ درخت تھا اور پتیاں بھی رکھتا تھا[۱۴]
(عرفان صدیقی)

آندھی یا طوفان کی تباہ کاریوں کو شعرا نے موضوعِ سخن اپنے اپنے انداز سے بنایا ہے۔ پہلے شعر میں منیر نیازی پتوں کو چمن کی ردا سمجھتے ہیں۔ یہاں ردا سے مراد چمن کی آبرو یا عزت بھی ہو سکتی ہے اور اس کی چادر بھی جو اس کی حفاظت کرتی تھی۔ آخری شعر سے پتا چلتا ہے کہ ایک شاعر کے نزدیک درخت جہاں کلی طور پر اہمیت کا حامل ہے وہیں اس کے اجزا بھی اتنے ہی اہم ہیں۔ شاعر درخت کے بچ جانے پر خوش ہونے کے بجائے درخت کی پتیوں کے بھی جھڑ جانے پر اداس ہے اور اس کا نوحہ کہ رہا ہے۔ باقی اشعار بھی اپنی جگہ اہم اور منفرد ہیں۔

درختوں کے داخلی نوحے میں دوسری بڑی آفت جو درختوں پر ٹوٹتی ہے وہ خزاں کا موسم ہے۔ ایسا وقت جس میں خود بخود پتے درختوں سے جھڑ جاتے ہیں۔ اس میں بھی کسی نہ کسی حد تک ہوا کا عمل دخل ہوتا ہے جس کی خطرناک شکل آندھی یا طوفان

ہے۔ درختوں کے حق میں یہ ایک ایسی آفت ہے جو ہر سال اپنے مقررہ وقت پر آموجود ہوتی ہے۔ موسمی تبدیلیوں کے باعث اس کی آمد میں تھوڑی بہت تقدیم و تاخیر تو ہو سکتی ہے لیکن اس سے بچاؤ ممکن نہیں۔ جدید اردو غزل میں شاعروں نے درختوں پر آنے والی اس آفت کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے:

اجڑے اجڑے سینوں میں طوفاں تو اٹھتے ہوں گے
پت جھڑ میں جب جھڑتے ہی جاتے ہیں پات درختو! [۱۵]
(اسلم کولسری)

بکھرتے جا رہے ہیں خشک پتے
پرندوں پر اداسی چھا رہی ہے [۱۶]
(محمود راشد)

مگر وہ شاخِ تہی رنگ و بستۂ دیوار
جو گلستاں سے الگ ہے خزاں سے دور نہیں [۱۷]
(ثروت حسین)

مجھ کو یہ رنج کھائے جاتا ہے
باغ پتے گرائے جاتا ہے [۱۸]
(ثروت حسین)

زرد پتوں کے ٹھنڈے بدن اپنے ہاتھوں پہ لے کر ہوا نے شجر سے کہا
اگلے موسم میں تجھ پر نئے برگ و بار آئیں گے، تب تلک صبر کر، یااخی! [۱۹]
(عرفان صدیقی)

بعض اوقات خشک پتے بھی
پاؤں پڑتے ہی چیخ اٹھتے ہیں [۲۰]
(نوشی گیلانی)

ہم دیکھتے ہیں کہ خزاں نہ صرف درختوں سے پتوں کو جدا کرتی ہے بلکہ پرندوں سے ان کے آشیانے بھی چھین لیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ زمیں پر پتوں کا بکھرنا پرندوں کی اداسی کا سبب بنتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسی ٹہنی جو باغ سے الگ ہوتی ہے، وہ بھی خزاں کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ پاتی۔ آخری شعر میں شاعر ایک طرف درخت کا نوحہ کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف درخت کو اپنا بھائی سمجھتے ہوئے اسے صبر کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ درختوں کو اگر اپنا بھائی سمجھا جائے تو یہ زمین جنت نظیر ہو سکتی ہے۔

شعرا نے بارش کے نہ ہونے کے سبب درختوں کے سوکھ جانے کا نوحہ بھی کہا ہے۔ جس طرح انسان کے لیے آب و دانہ کے بغیر زندہ رہنا ناممکنات میں سے ہے، اسی طرح پودوں اور درختوں کا بھی پانی اور درکار نمکیات کے بغیر باقی رہ جانا ممکن نہیں ہے۔ انسان اپنی تمام تر کامیابیوں اور کامرانیوں کے باوجود تاحال بارش کے برسانے پر قادر نہیں ہوا (مصنوعی بارش کی بات اور ہے)۔ بارش کی کمی یا خشک سالی درختوں کے لیے صرف پیاس کا مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ان کے پورے حیاتیاتی نظام کو بھی درہم برہم کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے بارشوں کی کمی سے ضیائی تالیف (Photosynthesis) میں رکاوٹ، ہائیڈرولک فیلیئر (Hydraulic Failure)، دفاعی نظام کی کمزوری، غذائی اجزاء کی کمی اور درجہ حرارت کی زیادتی (Thermal Stress) کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ضیائی تالیف میں رکاوٹ سے مراد یہ ہے کہ درخت اپنی خوراک بنانے کے لیے پودوں کے پتوں میں موجود چھوٹے سوراخوں، جنھیں سٹومیٹا (Stomata) کہا جاتا ہے، کے ذریعے کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتے ہیں۔ جب پانی کی کمی ہوتی ہے تو درخت پانی بچانے کے لیے ان سوراخوں کو بند کر دیتے ہیں۔ نتیجتاً کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب نہ ہونے کے سبب خوراک بننے کا عمل رک جاتا ہے، جس سے درخت کی نشوونما بھی رک جاتی ہے۔ ہائیڈرولک فیلیئر یہ ہے کہ درختوں کی جڑوں سے پتوں تک پانی پہنچانے کے لیے خاص قسم کی نالیوں کا نظام ہوتا ہے جنھیں Xylem کہا جاتا ہے۔ بارش نہ ہونے کے باعث مٹی خشک ہو جاتی ہے اور ان نالیوں میں ہوا کے بلبلے (Air Bubbles) بن جاتے ہیں۔ اسے سائنسی زبان میں ایمبول ازم (Embolism) کہا جاتا ہے۔ اگر یہ بلبلے بڑھ جائیں تو پانی کی ترسیل مکمل طور پر بند ہو جاتی ہے اور درخت سوکھ جاتا ہے۔ دفاعی نظام کی کمزوری یوں واقع ہوتی ہے کہ پانی کی کمی سے درخت تناؤ کا شکار ہو جاتے ہیں، جس سے ان کی رال (Resin) اور دیگر حفاظتی کیمیکلز پیدا کرنے کی صلاحیت کم ہو جانے کے باعث درخت کمزور ہو جاتے ہیں، اور کمزور درختوں پر کیڑے مکوڑے اور فنگس آسانی سے حملہ کر دیتے ہیں۔ غذائی اجزا کی کمی کا بھی ایک سبب بارش نہ ہونا ہے کیوں کہ درخت مٹی سے معدنیات اور غذائی اجزا براہِ راست نہیں لے سکتے، وہ انھیں پانی میں حل شدہ حالت میں ہی جذب کرتے ہیں۔ بارش کے نہ ہونے سے مٹی میں موجود نائٹروجن، فاسفورس اور پوٹاشیم جڑوں تک نہیں پہنچ پاتے، چاہے وہ زمین میں وافر مقدار میں ہی کیوں نہ موجود ہوں۔ بارش کے نہ ہونے سے درجہ حرارت میں اضافہ ہوتا ہے جو کہ درختوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ پتے بخارات خارج کر کے اپنے گرد و نواح کو ٹھنڈا رکھتے ہیں۔ جب بارش نہیں ہوتی تو پانی کی کمی سے یہ عمل رک جاتا ہے۔ پتوں کا درجہ حرارت بڑھنے سے ان کے خلیات جل جاتے ہیں[۲۱]۔ شعرا نے بارش کے نہ ہونے کے سبب درختوں کے سوکھ جانے کا نوحہ بھی کہا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جی چاہے سیراب کروں میں اس کو اپنے اشکوں سے
بارش کی امید میں راشدؔ جو پودا مرجھایا ہے[۲۲]
(محمود راشد)

شاخ تھی کمزور شاید اس لیے
پتیوں پر پتیاں مرنے لگیں[۲۳]
(بشیر بدر)

رنگ اترنے کے بعد اُترے گی
یہ شجر کی تکان ہے سائیں[۲۴]
(شاہین عباس)

درج بالا اشعار میں پودوں کے بارش کے انتظار، بارش نہ ہونے کے سبب شاخوں اور پتوں کے کمزور ہونے اور بارش کے انتظار میں اشجار کی تکان کو جس خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ جدید شاعر ادب اور فن کے ساتھ ساتھ سائنسی معلومات سے بھی باخبر ہے۔ اس کے علاوہ داخلی نوحوں میں شعرا نے برف باری کے سبب درختوں کو پہنچنے والے نقصان اور سیلاب کے آنے (اگرچہ سیلاب کا سبب بھی ایک حد تک انسان ہی ہیں) سے درختوں کے گرنے یا قدرتی طور پر درختوں کے دریا کے کنارے اگنے اور پھر سیلاب سے درختوں کی تباہ کاری کو بھی بیان کیا ہے۔

درختوں کے خارجی نوحے سے مراد ایسے نوحے ہیں جن کا تعلق براہِ راست انسان اور اس کے افعال سے ہے۔ ان افعال میں درختوں کا کٹائی، زہریلے مادوں کا استعمال اور دیگر درخت دشمن سرگرمیاں ہیں جن سے درختوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ شعرا نے درختوں پر انسانوں کے مظالم کو نہ صرف محسوس کیا ہے بلکہ اپنے اشعار میں نہایت خوب صورتی اور درد کے ساتھ بیان بھی کیا ہے، اور یہی اشعار درختوں کے نوحے بن گئے ہیں۔

درختوں کی تاریخ زمین جتنی ہی قدیم اور دلچسپ ہے۔ زمین کو بنجر سے ہرا بھرا بنانے میں ان کا کردار کلیدی رہا ہے، لیکن انسان کے ساتھ ان کا رشتہ ہمیشہ سے پیچیدہ رہا ہے۔ انسان اور درختوں کا رشتہ ابتدا میں بقا اور دوستی کا تھا لیکن آہستہ آہستہ یہ تعلق استحصال میں بدلتا گیا۔ پتھر کے زمانے میں انسان نے درختوں کو ایندھن (آگ) اور پناہ گاہ کے لیے استعمال کرنا شروع کیا لیکن اس وقت انسانوں کے تعداد میں کم ہونے اور آسائشات و تعیشات کے اسیر نہ ہونے کے سبب درختوں کی کٹائی محدود تھی۔ قریباً ایک ہزار سال پہلے جب زرعی انقلاب آیا اور انسان نے کھیتی باڑی شروع کی تو جنگلات کا صفایا بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ فصلیں اگانے کے لیے زمین کو صاف کیا گیا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں صنعتی انقلاب کے آنے سے درختوں کی کٹائی میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا۔ کوئلے کے ساتھ ساتھ لکڑی کو مشینوں، بحری جہازوں اور ریل کے لیے ایندھن اور خام مال کے طور پر استعمال کیا گیا۔ یہ اضافہ دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے اور درخت زمین کے سینے سے کٹتے، سمٹتے اور ختم ہوتے چلے جارہے ہیں۔ درختوں نے لاکھوں سال لگا

کر زمین کو رہنے کے قابل بنایا، جب کہ انسان نے اپنی ضروریات اور لالچ کے تحت صرف چند صدیوں میں زمین کے سبز رقبے کو آدھا کر کے زمین کے حیاتیاتی نظام (Ecological System) کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔

ہندوستان میں نو آبادیاتی عہد میں انگریزوں نے تجارت پر اجارہ داری حاصل کی اور بہت سی انتظامی تبدیلیاں کیں۔ اس سے اہلِ ہند کو نقصانات ہوئے یا فائدے وہ بحث ایک طرف مگر ہندوستان میں ٹیکنالوجی کے ظہور سے جو ریلوے اور نہری نظام کے بڑے ترقیاتی منصوبے شروع ہوئے، انھوں نے یہاں کے جغرافیائی لینڈ اسکیپ (Landscape) کو نہ صرف تبدیل کیا بلکہ مقامی ماحولیات پر بھی شدید اثرات مرتب کیے۔ انیسویں صدی کے وسط میں یہاں ریلوے کے عظیم ترقیاتی منصوبے کا واحد مقصد فوجی و انتظامی مشینری کی نقل و حرکت، دور دراز کی دیہی زرعی منڈیوں تک آسان رسائی اور معدنی و زرعی خام مال کی تیز اور آسان ترسیل تھا۔ ریل ایک طرف ٹیکنالوجی، ترقی اور جدت کی نوید لے کر آئی تو دوسری طرف یہ نو آبادیاتی دیو جس طرف بھی بڑھا فطرت کے سب سے بڑے مقامی مظہر (جنگلات) کو نگلتا چلا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان کا جنگلاتی رقبہ پورے یورپ کے جنگلاتی رقبے کا تقریباً نصف تھا۔ ہندوستان میں آب و ہوا اور موسم کے فرق کے سبب جنگلات کی قریباً تمام اقسام بکثرت موجود تھیں۔ ان جنگلات کا حیاتیاتی تنوع (Biodiversity) دنیا بھر کے جنگلات سے زیادہ متنوع اور زرخیز تھا[۲۵]۔ ۱۸۷۲ء میں جے۔ ڈی ہوکر (J.D Hooker۔ ۱۸۱۷ء-۱۹۱۱ء) نے ایک کتاب *The Flora Of British India* کے نام سے ترتیب دی۔ سات جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں نباتات کی ۱۴۲۵۰ اقسام کو نشان زد کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں انگریز حکمرانوں نے اپنے انتظامی معاملات میں آسانی کے لیے ہندوستان کے مختلف اضلاع کے گزیٹیرز مرتب کیے تھے جن میں ہر علاقے کے نباتات و جمادات کی فہرستیں شامل کی تھیں۔ مثلاً راولپنڈی ضلع (موجودہ ڈویژن) کے گزیٹیر میں ۱۰۳ پودوں اور درختوں کی فہرست دی گئی ہے[۲۶]۔

ہندوستان کا یہ صدیوں پرانا منفرد جنگلاتی لینڈ اسکیپ پہلی مرتبہ نو آبادیاتی عہد میں استحصال کا شکار ہوا۔ یہاں کے مقامی باشندوں کے لیے جنگل ایک گھر بھی تھا اور ذریعۂ معاش بھی۔ جنگل کی لکڑی ایندھن کے طور پر استعمال ہوتی تھی یا تعمیراتی میٹیریل کے طور پر یا زیادہ سے زیادہ کشتی سازی کی صنعت کے لیے۔ انگریز نو آبادکار نے پہلی مرتبہ جنگلات کو تجارتی مفاد سے منسلک کیا۔ ہندوستان میں ریل کی سیٹی ۱۶ اپریل ۱۸۵۳ء کو سہ پہر ۳ بج کر ۳۰ منٹ پر بجی اور ہندوستان کا دل لاکھوں درختوں کے لہو سے بھر گیا[۲۷]۔ منیر نیازی کا شعر یاد آتا ہے:

صبحِ کاذب کی ہوا میں درد تھا کتنا منیرؔ
ریل کی سیٹی بجی تو دل لہو سے بھر گیا[۲۸]

اورنگ زیب نیازی(پ:۱۹۷۹ء) نے مختلف مآخذ بالخصوص پوالی داس کی کتاب *Colonialism,Development and The Environment* کے ذریعے ان درختوں کی تفصیل اپنی کتاب اردو ادب: ماحولیاتی تناظر میں بیان کی ہے، جن کا ریل گاڑی کی پٹڑی اور ایندھن کے لیے قتلِ عام کیا گیا۔ یہ اعداد و شمار حیران کن بھی ہیں اور تکلیف دہ بھی۔ ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۰ء کے دوران مدراس میں ۱۳۰ میل لمبی ریلوے لائن بچھائی گئی۔ یہاں آٹھ سال کے لیے اوسطاً ۱۷۴۰ سلیپرز (لکڑی کے تختے جو پٹڑی میں استعمال ہوتے ہیں) ہر ایک میل کے لیے درکار تھے۔ پنجاب میں امرتسر کو ملتان سے ملانے والی پٹڑی ۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۵ء کے عرصے میں بچھائی گئی۔ یہ ۲۵۲ میل طویل لائن تھی جس کے لیے ۴۵۳۶۰۰ (چار لاکھ ترپن ہزار چھ سو) سلیپرز استعمال ہوئے۔ یہ درخت چناب اور راوی کی پہاڑی وادیوں سے منتخب کیے گئے تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۶۲-۱۸۶۱ء میں ۱۱۱۵۲ (ایک لاکھ گیارہ ہزار باون) درخت چناب اور ۵۶۴۹ (پانچ ہزار چھ سو انچاس) درخت راوی کے پہاڑی مقامات سے کاٹے گئے۔ ۶۳-۱۸۶۲ء میں یہ تعداد بالترتیب ۱۲۷۰۶ (بارہ ہزار سات سو چھ) اور ۶۰۸۳ (چھ ہزار تراسی) تھی۔ دہلی ریلوے کی تعمیر کا آغاز ۱۸۶۴ء میں ہوا اور تکمیل ۱۸۷۰ء میں ہوئی۔ میرٹھ سے دہلی تک یہ ریلوے لائن ۳۲۰ میل طویل تھی۔ یہاں ۲۰۰۰ سلیپرز یا ۱۰۰۰ کیوبک فٹ لکڑی فی میل درکار تھی۔ اس حساب سے یہاں ۳۲۰۰۰۰۰ کیوبک فٹ لکڑی استعمال ہوئی۔ IVR کے نام سے ملتان کو کوٹری سے ملانے والی ریلوے لائن بچھانے کا آغاز ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ ابتدا میں اس کی لمبائی ۵۰۰ میل تھی جس کے لیے ۱۱۰۰۰۰۰ سلیپرز لگائے گئے اور دریائے سندھ، ستلج اور بیاس کے پہاڑی جنگلات سے تقریباً ایک لاکھ دیودار کے درخت کاٹے گئے۔ لاہور سے پشاور اور راجپوتانہ کے لیے ریلوے کی تعمیر میں قریباً اتنے ہی درختوں کی قربانی دی گئی[۲۹]۔ ابتدا میں جب تک ریلوے لائن اور ریلوے انفراسٹرکچر زیرِ تعمیر تھا، لکڑی کی طلب صرف سلیپرز یا کسی حد تک عمارتی سامان کی تیاری تک محدود تھی۔ ۱۸۶۰ء میں جب ریلوے کا نظام چلنے لگا تو بطور ایندھن لکڑی کی طلب میں مزید اضافہ ہو گیا۔ یہ لکڑی ریلوے لائن کے قریب ترین جنگلات سے حاصل کی گئی۔ ہندوستان میں مختلف علاقوں میں درختوں کی اقسام بھی مختلف ہیں لیکن نو آبادکار کے پیشِ نظر صرف اپنے منصوبے کی تکمیل تھی، لہٰذا دیودار، چیڑھ اور ساگوان جیسی قیمتی لکڑی کو بھی انجن کی بھٹی میں جھونکا جاتا رہا۔ ایڈورڈ بالفور (Edward Balfour۔۱۸۱۳ء-۱۸۸۹ء) نے *The Cyclopedia Of India and of Eastern and Southern Asia* (۱۸۵۸ء) میں رُکھ (جنڈ) کی لکڑی کو جلانے کے لیے بہترین قرار دیا تھا۔ جنڈ پنجاب کا مقامی درخت تھا۔ چناں چہ یہ لکڑی پنجاب کے میدانی علاقوں ساہیوال، ملتان، جہلم اور شاہ پور کے جنگلات سے حاصل کی گئی۔ اس کے علاوہ پھلاہی، ڈھاک اور فروا کے درخت بھی بڑی تعداد میں کاٹے گئے۔ ایک اندازے کے مطابق صرف پنجاب میں ۱۸۸۱ء تک ۱۰۴۷ میل ریلوے پٹڑی پر ایندھن کی غرض سے ۴۵۶۷۸۵ (چار لاکھ چھپن ہزار سات سو پچاسی) من لکڑی استعمال ہوئی۔ ۱۸۷۸ء میں سالٹ رینج کے کوئلے کے ذخائر کے دریافت ہونے تک پنجاب میں ان درختوں کی کٹائی کا عمل مسلسل جاری رہا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج پنجاب

کے میدانوں میں جنڈ، پھلاہی اور ڈھاک کے درخت خال خال ہی دکھائی دیتے ہیں[۳۰]۔

شعرا نے درختوں کے کٹاؤ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار اس قدر کرب اور دکھ کے ساتھ کیا ہے کہ وہ نوحے بن گئے ہیں۔ اسلم کولسری کی ایک غزل ملتی ہے جس کی ردیف "درختو" ہے۔ اس غزل میں اسلمؔ نے درختوں کے کٹنے اور برباد ہونے کا نوحہ کہا ہے۔ اس کی تخلیق کا سبب ان کے آبائی گاؤں "کولسر" کا نقشے سے مٹ جانا ہے جو تحصیل اوکاڑا کا سرکاری گاؤں تھا، جسے ملٹری کے دائرہ کار میں آنے کے سبب ختم کر دیا گیا۔ مسعود احمد (پ:۱۹۶۰ء) لکھتے ہیں:

> کولسر تحصیل اوکاڑا کا سرکاری گاؤں تھا جو ملٹری کے دائرہ کار میں آتا تھا۔ جب اوکاڑا چھاؤنی کی تعمیر کا فیصلہ ہوا تو وہاں سے آباد کاروں کو اٹھا دیا گیا۔ یہ گاؤں نقشے سے تو مٹا دیا گیا مگر اسلم صاحب کے دل اور دماغ سے نہیں مٹایا جا سکا۔ اسلم کولسری صاحب جب تک ادب میں زندہ ہیں کولسر بھی زندہ رہے گا۔ گویا کولسر کو اسلم صاحب نے دوام بخش دیا۔ کولسر جس میں اس عظیم شاعر کا بچپن گزرا، اس کا ایک ایک رستہ، پگڈنڈیاں، درخت، کچے کوٹھے، کھیت کھلیان، کھالے وہ سب اس زبردستی کی ہجرت کے وقت اس حساس طبیعت کے شاعر نے اپنے دل میں اتار لیے تھے۔[۳۱]

جب یہ گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹا تو وہاں کا جنگل بھی کاٹ دیا گیا لیکن اسلمؔ نے وہ جنگل اپنے اندر اگا لیا اور اسے ہمیشہ یاد کرتے رہے۔ اس جنگل کا نوحہ غزل کی صورت میں انھوں نے لکھا، جس میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تم کو رونا آتا ہوگا اپنی خاموشی پر
جب انسان لگاتے ہیں ٹہنوں پر گھات درختو!
جان سے بھی پیارے اپنوں کے بیگانہ پن جیسی
کیا تم پر بھی اترا کرتی ہیں آفات درختو!
میں نے کتنی باتیں کی ہیں لیکن تم نہیں بولے
ہاں ہاں کیا اسلمؔ، کیا اسلمؔ کی اوقات درختو[۳۲]
(اسلم کولسری)

دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں لفظ 'بھی' قابلِ غور ہے۔ "کیا تم پر بھی اترا کرتی ہیں آفات درختو"۔ یعنی ہمیں تو اس گاؤں سے نکالا ہی گیا ہے، تو کیا تم پر بھی آفات اتری ہیں اور تمھارے ٹہنوں پر بھی گھات لگائی گئی ہے۔ پھر مقطع میں درختوں کی خاموشی کا بیان جس انداز سے ہوا ہے وہ صرف شعر نہیں بنا بلکہ ایک چیخ بن گئی ہے۔ اسی طرح وہ شعرا جو ایسے کسی تجربے سے تو نہیں

گزرے لیکن انھیں درختوں کے کٹاؤ نے دکھ پہنچایا ہے تو انھوں نے بھی نوحے کہے ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ محمود راشد کا شعری مجموعہ سمے کی ندی شاید اردو ادب میں واحد شعری مجموعہ ہے جس میں درختوں کو اس قدر موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ اس شعری مجموعے میں درخت، پرندے اور دیگر ماحولیاتی عناصر بہت زیادہ ہیں اور درختوں کے نوحے کے حوالے سے ہی چالیس سے زائد اشعار مل جاتے ہیں۔ ذیل میں درختوں کے کٹاؤ کے حوالے سے محمود راشدؔ اور دیگر شعرا کے اشعار درج کیے جا رہے ہیں:

کل رات جو ایندھن کے لیے کٹ کے گرا ہے
چڑیوں کو بڑا پیار تھا اس بوڑھے شجر سے [۳۳]
(پروین شاکر)

سنو گواہیاں دے دے کے تھک گئے ہیں ہم
ہمارے سامنے باغوں کو مت فنا کیجے [۳۴]
(شاور اسحاق)

ہوائیں جی بھر کے رو لیں اشجار سے لپٹ کر
کہ یہ ملاقاتیں آخری بار ہو رہی ہیں [۳۵]
(شاہد ماکلی)

تو جو کرتا ہے خریدی ہوئی چڑیاں آزاد
یہ تو کفارہ نہیں پیڑ کی بربادی کا [۳۶]
(سجاد بلوچ)

وار کلہاڑی سے کرتا تھا شجر پر کوئی
اور شجر وار کے اندازے میں کھویا ہوا تھا [۳۷]
(محمود راشد)

یہ نکتہ کٹتے شجر نے مجھے کیا تعلیم
کہ دکھ تو ملتے ہیں گر خواہشِ نمو کی جائے [۳۸]
(عباس تابش)

میٹھے تھے جن کے پھل وہ شجر کٹ گئے
ٹھنڈی تھی جس کی چھاؤں وہ دیوار گر گئی [۳۹]
(ناصر کاظمی)

آج، مصلوب درختوں کی عزاداری تھی
تتلیوں اور پرندوں کو رلایا گیا ہے[۴۰]
(فیصل عجمی)

یہ کس ترنگ میں ہم نے مکان بیچ دیا
درخت کاٹ لیے سائبان بیچ دیا[۴۱]
(احمد مشتاق)

دھرتی پہ اگ رہی ہیں فلک بوس چمنیاں
جن سے فضا میں عطر تھا وہ پیڑ کٹ گئے[۴۲]
(تنویر سپرا)

تھے شجر جتنے یہاں سارے کٹے وقت کے ساتھ
ہم بھلا کس سے کہیں قصۂ پارینۂ شام[۴۳]
(اکبر انجمؔ)

یہ اور اس طرح کے بے شمار اشعار درختوں کے کٹاؤ کے متعلق مختلف شعرا کی غزلوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ آخری شعر میں تنویر سپراؔ (۱۹۳۲ء-۱۹۹۳ء) اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جس سے تمام دنیا کو خطرہ درپیش ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ صنعتی نظام کی ترقی جہاں انسانی زندگی میں سہولیات اور معاشی خوشحالی لائی ہے، وہیں اس کا ایک سیاہ پہلو درختوں کا بے دریغ کٹاؤ اور ماحولیاتی بگاڑ بھی ہے۔ صنعتوں کے قیام اور پھیلاؤ کے لیے درختوں کے کٹاؤ کے کئی اسباب ہیں۔ نئی صنعتیں لگانے کے لیے بڑے پیمانے پر زمین کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے لیے جنگلات کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔ خام مال کی ضرورت کے تحت بھی درختوں کا قتلِ عام کیا جاتا ہے کیوں کہ لکڑی، کاغذ، فرنیچر اور ماچس جیسی صنعتیں براہِ راست درختوں پر انحصار کرتی ہیں۔ صنعتوں کے قریب مزدوروں اور عملے کی رہائش کے لیے ہاؤسنگ سوسائٹیز بنائی جاتی ہیں جو مزید درختوں کی قربانی مانگتی ہیں۔ کارخانوں تک رسائی کے لیے لمبی سڑکیں اور ریلوے ٹریک بچھانے کے لیے بھی جنگلات کاٹے جاتے ہیں۔ فضا میں عطر پاشی کرنے والے درختوں کے کٹنے اور فلک بوس چمنیوں کے اگنے کے نتیجے میں گلوبل وارمنگ، فضائی آلودگی، سیلاب اور زمینی کٹاؤ جیسے بے شمار مسائل جنم لیتے ہیں۔ شعر دیکھیے:

دھوئیں سے آسماں کا رنگ میلا ہوتا جاتا ہے
ہرے جنگل بدلتے جا رہے ہیں کارخانوں میں[۴۴]
(احمد مشتاق)

درختوں کو آگ لگانا بھی ایک عام انسانی وطیرہ ہے۔ اس متعلق کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

دُھواں دُھواں ہے درختوں کی داستاں انورؔ
کہ جنگلوں میں پلے اور بستیوں میں جلے[۴۵]
(انور مسعود)

پھولوں پہ گھٹاؤں کے تو سائے نہیں انورؔ
آوارۂ گلزار، نشیمن کا دُھواں ہے[۴۶]
(انور مسعود)

شفق کے قد سے درختوں کی لاٹ اونچی ہے
ہوا سے پوچھ رہا ہوں میں ''آشیانہ مرا''[۴۷]
(رام ریاض)

پیڑ جلتے ہوئے دیکھے نہ گئے
ہم چناروں سے لپٹ کر روئے[۴۸]
(رام ریاض)

پرندوں کی بقا اور درختوں کا آپس میں گہرا سائنسی تعلق ہے۔ پرندے اور درخت ایک ایسے حیاتیاتی نظام (Ecological System) کا حصہ ہیں جہاں وہ ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ پرندوں کے لیے درختوں کی اہمیت کو دیکھا جائے تو مسکن اور پناہ گاہ کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔ درخت پرندوں کو رہنے کے لیے محفوظ جگہ فراہم کرتے ہیں۔ سائنسی طور پر، درخت کی مختلف تہیں (جیسے اوپری چھتری، درمیانی شاخیں اور تنا) مختلف اقسام کے پرندوں کے لیے مسکن فراہم کرتی ہیں۔ گھنی شاخیں پرندوں کو شکاریوں سے چھپنے میں مدد دیتی ہیں اور شدید گرمی، بارش اور تیز ہواؤں کے خلاف ایک قدرتی ڈھال کا کام دیتی ہیں۔ افزائشِ نسل کے حوالے سے دیکھا جائے تو زیادہ تر پرندوں کا تولیدی عمل درختوں سے جڑا ہوا ہے۔ درختوں کی ٹہنیاں، پتے اور چھال گھونسلہ بنانے کے لیے خام مال فراہم کرتے ہیں۔ درختوں کی بلندی ان کے انڈوں اور بچوں کو زمینی شکاریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ پرندوں کی غذائی ضروریات پوری کرنے میں بھی درختوں کا بڑا اہم کردار ہے۔ درختوں کے پھل، بیج، کونپلیں اور پھولوں کا رس پرندوں کی بنیادی خوراک ہے۔ اس کے علاوہ درختوں پر ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑے اور لاروے پلتے ہیں۔ سائنسی مطالعہ بتاتا ہے کہ خاص طور پر افزائشِ نسل کے دوران پرندے اپنے بچوں کو پروٹین فراہم کرنے کے لیے انھی کیڑوں مکوڑوں پر انحصار کرتے ہیں جو درختوں پر پائے جاتے ہیں۔ ماحولیاتی توازن میں درخت اور پرندے ایک باہمی فائدے کے رشتے میں بندھے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ بیجوں کی منتقلی پرندوں

کے ذریعے بھی ہوتی ہے۔ جب پرندے درختوں کے پھل کھا کر دوسری جگہ جاتے ہیں، تو وہ اپنے فضلے کے ذریعے بیجوں کو پھیلاتے ہیں، جس سے نئے درخت اگتے ہیں۔ پولی نیشن (Polination) کے عمل میں رس چوسنے والے پرندے (شہد کی مکھی وغیرہ) ایک پھول سے دوسرے پھول تک زرد انے پہنچا کر درختوں کی نسل بڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔ جہاں درختوں کے لیے پرندے ضروری ہیں، وہیں پرندوں کی زندگیاں بھی درختوں سے جڑی ہوئی ہیں[۴۹]۔ مسکن کی تباہی کے نتیجے میں پرندوں کی آبادی میں کمی واقع ہوتی ہے، کیوں کہ انھیں خوراک اور گھونسلے کے لیے میلوں سفر کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح پرندوں کی کئی نایاب نسلیں معدوم ہو جاتی ہیں، کیوں کہ وہ مصنوعی ماحول میں زندہ نہیں رہ پاتیں۔ لہٰذا درخت صرف لکڑی کا ڈھیر نہیں بلکہ پرندوں کے لیے ایک پیچیدہ حیاتیاتی گھر ہیں۔ درختوں کے بغیر پرندوں کا وجود سائنسی طور پر ناممکن ہے اور پرندوں کے بغیر جنگلات کی قدرتی افزائش رک جاتی ہے۔

شعرا نے درختوں اور پرندوں کے باہمی تعلق اور ضروت کو سمجھتے ہوئے بھی نوحے کہے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

درخت کٹ گیا لیکن وہ رابطے ناصرؔ
تمام رات پرندے زمیں پہ بیٹھے رہے [۵۰]
(حسن ناصر)

عجیب درد کا رشتہ تھا سب کے سب روئے
شجر گرے تو پرندے تمام شب روئے [۵۱]
(طارق نعیم)

کوے کہاں چلے گئے، چڑیوں کو کیا ہوا
جو بولتے تھے شام و سحر بولتے نہیں[۵۲]
(احمد مشتاق)

اک پرندے نے مجھے اب یہ نصیحت کی ہے
لوٹ کر آیا نہیں جس نے بھی ہجرت کی ہے [۵۳]
(عباس تابش)

ہائے وہ شاخ کہ بے برگ و ثمر ہو انورؔ
اور اس پر کبھی بیٹھے نہ پرندہ کوئی[۵۴]
(انور مسعود)

بے ثمر پیڑ کا جب فیصلہ کرنا چاہو
اس میں آباد پرندوں سے بھی لینا رائے [۵۵]
(حمیدہ شاہین)

نہ جانے کتنے پرندوں نے خود کشی کر لی
جہاں تھے باغ وہاں گھر بنا دیے گئے ہیں[۵۶]
(فیصل عجمی)

پھیلا جو شہر گاؤں کے پہلو سے آ لگا
اتنا کہ گاؤں بھر کے پرندے چلے گئے [۵۷]
(فیصل عجمی)

درج بالا اشعار میں درختوں کا کٹنا اور پرندوں کا بے گھر ہونا، پرندوں کا نوحہ کرنا اور رونا، ان کا ہجرت کرنا یا خود کشی کر لینا ایسے موضوعات ہیں جو کسی بھی صاحبِ دل انسان کو رلا دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ پہلے شعر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ درختوں سے پرندوں کا تعلق کس قدر گہرا ہوتا ہے اور ہم خود بھی دیکھتے ہیں کہ درخت کے کٹنے پر ندے کس قدر شور مچاتے ہیں اور وہاں چکر لگاتے رہتے ہیں یا قریب کے درختوں اور زمین پر بیٹھے رہتے ہیں۔

درختوں کی تباہی اور پرندوں کی ہجرت کی ایک اہم وجہ انسان کی پیدا کردہ فضائی اور آبی آلودگی بھی ہے۔ زرعی اور صنعتی شعبوں میں استعمال ہونے والے مختلف سپرے، کیڑے مار ادویات (Pesticides)، جڑی بوٹی مار ادویات (Herbicides) اور ہوا میں موجود کیمیکلز، درختوں اور مجموعی ماحول کے لیے انتہائی مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ سپرے صرف اس جگہ ہی نہیں رہتے جہاں انھیں چھڑکا جاتا ہے بلکہ یہ مختلف طریقوں سے پھیلتے ہیں۔ جب کھیتوں یا باغات میں سپرے کیا جاتا ہے تو ہوا کے ذریعے اس کے باریک قطرے میلوں دور تک پھیل جاتے ہیں اور غیر ہدف شدہ درختوں اور پودوں پر بھی گرتے ہیں۔ بارش یا آب پاشی کے دوران یہ کیمیکلز مٹی میں جذب ہو کر زیرِ زمین پانی تک پہنچ جاتے ہیں جو بعد میں درختوں کی جڑوں کے ذریعے جذب ہو کر انھیں اندر سے زہریلا کر دیتے ہیں۔ سپرے میں موجود وولٹائل آرگینک کمپاؤنڈز (Volatile Organic Compounds) سورج کی روشنی سے مل کر زمینی اوزون (O3) بناتے ہیں جو پودوں کے لیے زہر کی حیثیت رکھتی ہے[۵۸]۔

خون سا لگ گیا ہے ہاتھوں میں
چڑھ گیا زہر گل مسلتے ہی[۵۹]
(منیر نیازی)

یہ کیسے دن ہیں ہماری زمین پر ثروتؔ
گلوں کا رنگ نمک کا مزہ بدلنے لگا [۶۰]
(ثروت حسین)

اُڑ گئے شاخوں سے یہ کہ کے طیور
اِس گلستاں کی ہوا میں زہر ہے [۶۱]
(ناصر کاظمی)

پہلے شعر میں ہاتھوں پر خون لگنا دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ اول درخت کے قتل کا خون اور دوم وہ خون جو پھول پر زہریلے مادوں کی موجودگی کے باعث ہاتھ پر لگا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ دوسرے مصرعے میں لفظ 'زہر' سے اس معنی کو مزید تقویت ملتی ہے۔ دوسرے شعر میں ثروتؔ زمینی تبدیلی کو موضوع بناتے ہیں جس کے سبب گلوں کا رنگ اور نمک کا مزہ بدلنے لگا ہے۔ تیسرا شعر ناصرؔ کاظمی سے یادگار ہے جس میں واضح طور پر گلستان کی ہوا میں موجود زہر کے سبب پرندوں کی ہجرت کو بیان کیا گیا ہے۔

شعرا نے نہ صرف درختوں پر ہونے والے ظلم و ستم اپنے اشعار میں بیان کیے ہیں بلکہ ان کی سلامتی کے لیے دعائیں بھی کی ہیں۔ درختوں اور ان سے وابستہ جانداروں کو امید اور حوصلہ دیا ہے۔

لوٹ کر آئیں شگفتہ بالیوں پر ننھی چڑیاں
لہلہائے فصل، گاؤں زندگی کے گیت گائے [۶۲]
(محمود راشد)

کوئی جنگل کا مغنی درد کے موسم میں راشدؔ
زرد پیڑوں سے لپٹ کر تازگی کے گیت گائے [۶۳]
(محمود راشد)

دل نہ میلا کرو سوکھا نہیں سارا جنگل
ابھی اک جھنڈ سے پانی کی صدا آتی ہے [۶۴]
(احمد مشتاق)

فلسطینی شاعر محمود درویش (۱۹۴۱ء-۲۰۰۸ء) لکھتے ہیں کہ ایک درخت دوسرے درخت کی بہن ہو جیسے، کوئی نیک سیرت پڑوسی ہو جیسے، یہ درخت دوسرے درختوں کا پھل نہیں چراتے، اگر ایک درخت پر زیادہ پھل لگ گئے ہیں تو کم پھل والے درخت اس سے جلتے نہیں ہیں اور اگر کسی درخت پر کم پھل لگے ہیں تو زیادہ پھل والے درخت اس کا مذاق نہیں اڑاتے۔ بڑا درخت چھوٹے درخت کو چھاؤں فراہم کرتا ہے، مضبوط درخت کمزور درخت پر حملہ نہیں کرتے، ایک دوسرے کو بُرا بھلا نہیں کہتے، درخت کبھی لکڑہارے کا مقابلہ نہیں کرتے، یہی درخت جب تراش کر کشتی بن جائیں تو منزل تک پہنچاتے ہیں، دروازہ بن جائیں تو لوگوں کے رازوں کو باہر نہیں جانے دیتے، کرسی بن جائیں تو اپنے اوپر تنے ہوئے آسمان کو کبھی نہیں بھولتے، جب میز بن جائیں تو لکھاری کو

سکھاتے ہیں کہ کچھ بھی ہو تم نے لکڑہارا نہیں بننا[۶۵]۔

ہم نے دیکھا کہ جدید اردو غزل کے شاعر کچھ بھی بن گئے ہوں مگر وہ لکڑہارے نہیں بنے۔ انھوں نے درختوں کی کٹائی اور دیگر ذرائع سے انھیں پہنچنے والے نقصان سے صرفِ نظر نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے انداز سے ایسے افعال کی مذمت کرتے ہوئے ان کا نوحہ کہا ہے۔ اس مضمون میں چنیدہ شعرا کے ہاں درختوں کے نوحے تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایسا نہیں کہ ان کے علاوہ کسی شاعر کے ہاں ایسے اشعار نہیں ہیں۔ یقیناً ہوں گے اور ان سے بہتر بھی ہو سکتے ہیں، مگر ہم جانتے ہیں کہ ایک مضمون میں تمام شعرا کے اشعار کو زیرِ بحث لانا ناممکن نہ سہی تو مشکل ضرور ہے۔ درختوں کے یہ نوحے صرف شعری اظہار کا نمونہ نہیں ہیں بلکہ یہ وہ درد ہے جو معاشرے کے حساس افراد یعنی تخلیق کار یا فنکار محسوس کرتے ہیں اور پھر اسے تخلیقی اظہار عطا کرتے ہیں۔ ہم جب تک درختوں کو اپنے بہن بھائی، اپنے دوست یا پڑوسی، دل سے تسلیم نہیں کر لیتے تب تک یہ نوحے شاعری، مصوری یا کسی بھی فن کی صورت میں ظہور کرتے رہیں گے۔ لیکن تاخیر کی صورت میں کتنا اور کیا کیا نقصان ہو جائے گا اس کا بخوبی اندازہ، موجودہ ماحولیاتی صورت حال سے لگایا جا سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

* (پ:۲۰۰۰ء) لیکچرار (وزٹنگ)، شعبۂ اردو، گورنمنٹ اسلامیہ گریجویٹ کالج، سول لائنز، لاہور۔ imtiazanjum863@gmail.com

۱۔ شمس الرحمٰن فارقی، اردو غزل کے اہم موڑ (نئی دہلی: غالب اکیڈمی، ۲۰۰۶ء)، ۳۷۔

۲۔ قاضی زین العابدین، مؤلف، بیان اللسان، عربی اردو ڈکشنری (کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۴۷ء)، ۸۴۷۔

۳۔ مولوی نور الحسن نیّر، مؤلف، نور اللغات، جلد چہارم (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو، ۱۹۸۸ء)، ۸۷۴۔

۴۔ رؤف پاریکھ، اردو لغت تاریخی اصول پر، جلد بیستم، (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۲۰۰۵ء)، ۵۵۵۔

۵۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، مرتب، کشاف تنقیدی اصطلاحات (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۴ء)، ۲۰۴۔

۶۔ گیان چند جین، ادبی اصناف (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۸ء)، ۹۶۔

۷۔ نواز حسن زیدی، ادبی میراث (لاہور: اظہار سنز، ۲۰۱۰ء)، ۱۷، ۲۴۔

۸۔ اردو نظم اور درختوں کی کٹائی، کے حوالے سے درج ذیل تصانیف دیکھی جا سکتی ہیں:

اورنگزیب نیازی، اردو ادب: ماحولیاتی تناظر (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء)۔

محمد اکرام قریشی، اردو آزاد نظم کے قدرتی ماحولیاتی تناظرات (لاہور: کتابی دنیا، ۲۰۲۵ء)۔

۹۔ منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا (کلیات)، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ۳۹۶۔

۱۰۔ بیدل حیدری، کلیاتِ بیدل حیدری، مرتبہ شکیل سروش (فیصل آباد: مثال کتاب گھر ۲۰۱۵ء)، ۱۰۳۔

۱۱۔ ایضاً، ۳۵۔

۱۲۔ ایضاً، ۴۳۔

۱۳۔ سلیم احمد، کلیاتِ سلیم احمد (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ۱۰۰۔

۱۴۔ عرفان صدیقی، سخن آباد (کلیات عرفان صدیقی)، مرتبہ عقیل عباس جعفری (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز ۲۰۱۸ء)، ۶۲۔

۱۵۔ یہ اسلم کولسری کی غیر مطبوعہ غزل ہے۔ البتہ سوشل میڈیا پر چند ایسی وڈیوز موجود ہیں، جن میں اسلم کولسری خود یہ غزل پڑھ رہے ہیں اور ان کے ساتھ اسٹیج پر معروف شاعر اور کالم نگار عطاالحق قاسمی بھی موجود ہیں۔

ہجر کے جنگل میں آئی ہے پہلی رات درختو
کتنا سناٹا ہے چھیڑو کوئی بات درختو

(۲۵ فروری ۲۰۲۱ء)

https://www.facebook.com/share/v/1GEpup7CZC تاریخ ملاحظہ: ۱۷ مارچ، ۲۰۲۶ء

۱۶۔ محمود راشد، سمے کی ندی (راولپنڈی: رومیل پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء)، ۱۳۰۔

۱۷۔ ثروت حسین، کلیاتِ ثروت حسین، مرتبہ عدنان بشیر (لاہور: مجلس ترقیِ ادب، ۲۰۲۶ء)، ۱۳۵۔

۱۸۔ ایضاً، ۱۶۴۔

۱۹۔ عرفان صدیقی، سخن آباد (کلیاتِ عرفان صدیقی)، ۱۶۲۔

۲۰۔ نوشی گیلانی، محبتیں جب شمار کرنا (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ۱۲۳۔

۲۱۔ حسیب خان، "The Relationship of Trees and Rain: A Perfect Cycle in Nature"، ۲۷ نومبر ۲۰۲۴ء،

https://medium.com/@hasibkhan_63399/the-relationship-of-trees-and-rain-a-perfect-cycle-in-nature-376e994710c4
تاریخ ملاحظہ: ۱۶ مارچ ۲۰۲۶ء۔
۲۲۔ محمود راشد، سمے کی ندی، ۱۶۴۔
۲۳۔ بشیر بدر، مجھے پاگل کر دو (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، سنہ ندارد)، ۳۹۔
۲۴۔ شاہین عباس، خدا کے دن (لاہور: کاغذی پیرہن، ۲۰۰۹ء)، ۵۳۔
۲۵۔ اورنگ زیب نیازی، اردو ادب: ماحولیاتی تناظر (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء)، ۲۳۶-۲۳۷۔
۲۶۔ فریڈ۔اے۔رابرٹ سن [Fred A. Robertson]، *Gazetteer of Rawalpindi District 1893-94*، مترجم یاسر جواد (لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۲۰ء)، ۴۴۔
۲۷۔ فضل الرحمٰن قاضی، رُودادِ ریل کی (اسلام آباد: ایمل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ۳۰۔
۲۸۔ منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا، ۷۳۔
۲۹۔ پوالی۔وی۔داس [Pvalli V. Das]، *Colonialism, Development and the Environment* (نیویارک: پال گریو میکملن، ۲۰۱۵ء)، ۵۳-۶۵۔
۳۰۔ اورنگزیب نیازی، اردو ادب: ماحولیاتی تناظر، ۲۳۹-۲۴۰۔
۳۱۔ مسعود احمد، "جھونپڑوں کا مغنی: اسلم کولسری"، ۲۵ ستمبر ۲۰۲۰ء، https://www.facebook.com/share/p/1HbdtmMmp5 تاریخ ملاحظہ: ۱۵ مارچ ۲۰۲۶ء۔
۳۲۔ اسلم کولسری۔ فیس بک وڈیو لنک، ۲۵ فروری ۲۰۲۱ء۔ https://www.facebook.com/share/v/1GEpup7CZC تاریخ ملاحظہ: ۱۷ مارچ ۲۰۲۶ء۔
۳۳۔ پروین شاکر، صد برگ (لاہور: غالب پبلشرز، ۱۹۸۱ء)، ۱۰۸۔
۳۴۔ شاور اسحاق، مدفون آدمی کی ڈائری (لاہور: کولاج پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء)، ۴۸۔
۳۵۔ شاہد ماکلی، تجاذب (لاہور: دھنک مطبوعات، ۲۰۲۶ء)، ۱۰۰۔
۳۶۔ سجاد بلوچ، رات کی راہداری میں (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۳ء)، ۷۰۔
۳۷۔ محمود راشد، سمے کی ندی، ۱۲۲۔
۳۸۔ عباس تابش، عشق آباد (کلیات)، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ۴۸۵۔
۳۹۔ ناصر کاظمی، کلیاتِ ناصر کاظمی (لاہور: اِلقا پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ۲۲۹۔
۴۰۔ فیصل عجمی، سخن آباد (کلیات)، (لاہور: آثار اکادمی، ۲۰۲۲ء)، ۱۲۹۔
۴۱۔ احمد مشتاق، کلیاتِ احمد مشتاق (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ۱۸۸۔
۴۲۔ تنویر سپرا، لفظ کھردرے (جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۶ء)، ۱۲۶۔
۴۳۔ اکبر انجم، اوراقِ آئینہ (لاہور: کولاج پبلی کیشنز، ۲۰۲۶ء)، ۷۲۔
۴۴۔ احمد مشتاق، کلیاتِ احمد مشتاق، ۱۳۷۔
۴۵۔ انور مسعود، اک دریچہ اک چراغ (لاہور: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ۸۱۔
۴۶۔ ایضاً، ۴۸۔

۴۷۔ رام ریاض، ورقِ سنگ (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ۵۴۔

۴۸۔ ایضاً، ۱۰۹۔

۴۹۔ درخت اور ایکو سسٹم (Trees and ecosystem)

https://www.sciencelearn.org.nz/resources/2645-trees-and-ecosystems تاریخِ ملاحظہ: ۱۶ مارچ ۲۰۲۶ء۔

۵۰۔ حسن ناصر، مشمولہ ماہنامہ فنون، شمارہ ۲۳ (دسمبر ۱۹۸۵ء)، ۳۶۸۔

۵۱۔ طارق نعیم، رکی ہوئی شاموں کی راہداریاں (اسلام آباد: عکاس پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ۳۶۹۔

۵۲۔ احمد مشتاق، اوراقِ خزانی (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز)، ۱۷۔

۵۳۔ عباس تابش، عشق آباد (کلیات)، ۳۶۶۔

۵۴۔ انور مسعود، اک دریچہ اک چراغ، ۶۹۔

۵۵۔ حمیدہ شاہین، آرپار (لاہور: کولاج پبلی کیشنز، ۲۰۲۴ء)، ۱۰۳۔

۵۶۔ فیصل عجمی، سخن آباد (کلیات)، ۱۵۵۔

۵۷۔ ایضاً، ۷۵۔

۵۸۔ How Trees can help against air pollution، ۲۸ ستمبر ۲۰۲۰ء۔

https://www.green.earth/blog/how-trees-can-help-against-air-pollution تاریخِ ملاحظہ: ۱۲ مارچ ۲۰۲۶ء۔

۵۹۔ منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا، ۳۹۶۔

۶۰۔ ثروت حسین، کلیاتِ ثروت حسین، ۱۴۶۔

۶۱۔ ناصر کاظمی، کلیاتِ ناصر کاظمی، ۷۳۔

۶۲۔ محمود راشد، سمے کی ندی، ۸۳۔

۶۳۔ ایضاً، ۸۳۔

۶۴۔ احمد مشتاق، اوراقِ خزانی، ۱۲۔

۶۵۔ شاندار بخاری، ”درویشیات-لیت الفتی شجرۃ“، ۱۵ فروری ۲۰۲۵ء،

https://www.iattock.com/derveshiayaa-i-wish-the-boy-was-a-tree تاریخِ ملاحظہ: ۱۵ مارچ ۲۰۲۶ء۔

Bibliography

Abbas, Shaheen. *Khūdā kē Din*. Lahore: Kaghazi Pairhan,2009.

Ahmad, Saleem. *Kullīyāt-i Saleem Ahmad*. Karachi: Rang e Adab Publications,2015.

Ajami, Faisal. *Sukhan Ābād*. Lahore: Asaar Academy,2022.

Anjum, Akbar. *Aurāq-i Āāīnā*. Lahore: Collage publications,2026.

Badr, Bashir. *Mūjhē Pāgal Kar Do*. Lahore: Al-Hamd Publications, n.d.

Baloch, Sajjad. *Rāt ki Rāhdāri Mēñ*. Lahore: Sange e Meel Publications,2023.

Bilgrami, Shoukat. *Jām-i Shahādat*. Delhi: Matba Asna Ashri,1907.

Chand, Dr. Gayaan. *Adabī Asnāf*. Lahore: Book Talk, 2018.

Das, Pvali V. *Colonialism, Development and the Environment*. New York: Palgrave Macmillan, 2015.

Farooqui, Shams Ur Rehman. *Urdū Ghazal kē Aham Mor*. New Dehli: Ghalib Academy ,2006.

Gilani, Noshi. *Mahabbatēñ Jab Shūmār Karnā*. Lahore: Al- Hamd Publications,1997.

Haideri, Baidal. *Kullīyāt-i Baidal Haiderī*. Faisalabad: Misal Kitab Ghar,2015.

Hussain, Sarwat. *Kullīyāt-i Sarwat Hussain*. Lahore: Majlis e Taraqqi e Adab,2026.

Ishaq, Shinawar. *Madfūn Ādmī ki Diary*. Lahore: Collage Publications,2022.

Kazmi, Nasir. *Kullīyāt-i Nāsir Kāzmī*. Lahore: Reading,n.d.

Makli, Shahid. *Tajāzub*. Lahore: Dhanak Matbuaat,2026.

Masood, Anwar. *Ik Darīchā Ik Chirāgh*. Lahore: Dost Publications, 2000.

Mushtaq, Ahmad. *Aurāq-i Khīzānī*. Lahore: Sang e Meel Publications, n.d.

———. *Kullīyāt-i Ahmad Mushtāq*. Lahore: Sang e Meel publications,2009.

Naeem, Tariq. *Rukī Hūī Shāmoñ kī Rāhdārīyāñ*. Islamabad: Akkas publications,2006.

Nasir, Hassan. In *Funūn*, no 23. Lahore: Dec 1958. 367.

Nayyar, Molvi Noor ul Hassan. *Nūr ul Lūghāt*. New Delhi: Qoumi Council Braē Frogh e Urdu,1988.

Niazi, Dr. Aurangzeb. *Urdū Adab: Mahoulīyātī Tanāzur*. Lahore: Sang e Meel Publications, 2022.

Niazi, Munir. *Aik Aūr Daryā kā Sāmnā*. Islamabad: Dost Publications,2008.

Parekh, Dr. Rauf. *Urdū Lūghāt*. Karachi: Urdu Lughat Board,2005.

Qazi, Fazal Ur Rehman. *Rūdād Rail ki*. Islamabad: Emil Publications,2017.

Qazi, Zain Ul Aabidin. *Bayān ul Lisān*. Karachi: Dar ul Ishaat,1947.

Rashid, Mehmood. *Samēy kī Naddī*. Rawalpindi: Romail Publications,2021.

Riaz, Ram. *Waraq-i Sañg*. Lahore: Al Hamd Publications,2002.

Robertson, Fred A. *Gazetteer of Rawalpindi District 1893-94*. Lahore: Al Faisal Nashiran, 2020.

Shaheen, Hameeda. *Āār Pār*. Lahore: Collage publications,2024.

Shakir, Parveen. *Sad Barg*. Lahore: Ghalib publishers,1981.

Siddiqui, Abul Ijaz Hafeez. *Kashāf Tanqīdī Istalāhāt*. Islamabad: Muqtadara Qoumi Zuban, 1948.

Siddiqui, Irfan. *Sūkhan Abād*. Karachi: Rang e Adab Publications,2018.

Sipra, Tanveer. *Lafz Khurdray*. Jehlum: Book Corner, 2016.

Tabish, Abbas. *Ishaq Ābād*. Lahore: Al Hamd Publications,2011.

Zaidi, Nawaz Hassan. *Adabī Mīrās*. Lahore: Izhar Sons,2010.